(21)

قرآن کریم کی رو سے اسلام کی تبلیغ صرف چند افراد کا نہیں بلکہ ساری جماعت کا فرض ہے

جماعت کو تبلیغ کی طرف خاص طور پر توجہ کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرنی چاہییں کہ وہ ہماری زبانوں میں اثر پیدا کرے

(فرمودہ 8 اگست 1958ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی کہ: وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً -1

اس کے بعد فرمایا:

"قرآن کریم میں بعض ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں کہ اگر ان کی صحیح توجیہہ مدّنظر نہ رکھی جائے تو دشمنوں کے لیے اعتراض کا موقع پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہی آیت جس کی میں نے تلاوت کی ہے اس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم سب مشرکوں سے قِتال کرو۔ جیسا کہ وہ سب کے سب تم سے قِتال کر رہے ہیں۔ اب اس جگہ قِتال کے یہ معنے نہیں لیے جا سکتے کہ تلوار لے کر دشمنوں کا مقابلہ کرو کیونکہ اوّل تو آجکل تلوار کی جنگ کا زمانہ ہی نہیں۔ اب تو ہوائی جہازوں اور ایٹم بموں کا زمانہ ہے اور پھر آجکل

کُفّار مسلمانوں سے تلوار کی کوئی لڑائی نہیں لڑ رہے کہ مسلمانوں کے لیے بھی ان سے جنگ کرنا ضروری ہو۔ پس اِس جگہ قِتال کے معنٰی ظاہری جنگ کے نہیں بلکہ مذہبی مقابلہ اور اسلام کی اشاعت کے ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ مخالفینِ اسلام ہمیشہ مذہبی وسوسے پیدا کر کے لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ پس قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً کے معنے یہ ہوئے کہ تم غیر مسلموں میں تبلیغِ اسلام کرو۔ اور یاد رکھو کہ یہ تم میں سے صرف چند افراد کا فرض نہیں بلکہ ساری جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس کام میں حصہ لے۔ كَآفَّةً کے یہی معنے ہیں کہ کوئی شخص بھی اس حکم کی تعمیل سے باہر نہ رہے۔ اگر دس لاکھ احمدی ہیں اور ان میں سے نو لاکھ ننانوے ہزار نوسو ننانوے آدمی اس فرض کو ادا کرتے ہیں اور صرف ایک شخص تبلیغ نہیں کرتا تب بھی جماعت کے لوگ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ سارے کے سارے تبلیغِ اسلام کر رہے ہیں۔ وہ اُسی وقت اپنے فرض سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جب وہ اس ایک شخص کو بھی اپنے ساتھ شامل کریں کیونکہ قرآن کریم کی ہدایت یہ ہے کہ مشرکوں کے مقابلہ میں ساری کی ساری جماعت کو کھڑا ہونا چاہیے اور ہر فرد کو ان میں تبلیغ کرنی چاہیے۔

میں نے آج سے پچیس سال پہلے ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقع پر ساری جماعت سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو تبلیغ کریں گے اور ان کو احمدی بنانے کی کوشش کریں گے مگر افسوس ہے کہ ہماری جماعت نے ابھی تک اس عہد کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ لوگ جنہوں نے اس پر عمل کیا تھا انہوں نے تو فائدہ اُٹھا لیا اور وہ کامیاب ہو گئے مگر جنہوں نے عمل نہ کیا اُن کے رشتہ دار اب تک غیر احمدی چلے آ رہے ہیں۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اب ہماری جماعت اُس وقت سے بہت بڑھ چکی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر میری اِس ہدایت پر عمل کیا جاتا اور ہر احمدی اپنے غیر احمدی رشتہ داروں میں تبلیغ پر زور دیتا تو اب تک ہر طرف احمدی ہی احمدی نظر آتے۔ مثلاً انڈونیشیا ہے وہاں تینتیس سال سے تبلیغ ہو رہی ہے۔ 1925ء سے وہاں تبلیغ شروع ہوئی تھی اور اب 1958ء ہے۔ گویا تینتیس سال وہاں تبلیغی مشن کے قائم ہونے پر گزر چکے ہیں لیکن وہاں کے احمدیوں کی تعداد کے متعلق میں نے اپنے لڑکے مرزا رفیع احمد سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ انڈونیشیا میں چندہ دینے والے تو صرف بارہ ہزار ہیں لیکن اگر اُن لوگوں کو بھی شامل کر لیا جائے جو ہماری جماعت سے ہمدردی رکھتے ہیں تو چوبیس ہزار سمجھے جا سکتے ہیں۔ حالانکہ اس ملک کی آبادی آٹھ کروڑ ہے اور تینتیس سال

سے وہاں تبلیغ ہو رہی ہے۔ اگر صحیح معنوں میں وہاں تبلیغ کی جاتی تو میں سمجھتا ہوں کہ وہاں چھ سات کروڑ احمدی ہونے چاہییں تھے مگر اب تک وہاں صرف بارہ ہزار احمدی ہوئے ہیں۔ پھر وہاں کی جماعت نے قطع نظر اِس کے کہ میں بیمار ہوں اور میرے لیے لمبا سفر کرنا مشکل ہے یہ ریزولیوشن (RESOLUTION) پاس کر کے مجھے بھجوا دیا کہ آپ انڈونیشیا تشریف لائیں حالانکہ میری یہ حالت ہے کہ باوجود اِس کے کہ ڈاکٹر مجھے کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ پھر علاج کے لیے یورپ جائیں میں یورپ کا سفر بھی اختیار نہیں کرتا۔ پھر میں انڈونیشیا کس طرح جا سکتا ہوں۔ لیکن بعض دفعہ انسان موت کے منہ میں بھی اپنے آپ کو ڈالنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ خوش ہو مگر میں ایسی جماعت سے کیا خوش ہو سکتا ہوں جس نے تینتیس سال کے عرصہ میں صرف بارہ ہزار احمدی بنائے ہیں۔ دانا انسان ہمیشہ پہلے اپنا نمونہ دکھاتے ہیں اور پھر کسی احسان کا مطالبہ کرتے ہیں مگر وہ ایسے آدمی کو جو ستّر سال کا ہو چکا ہے اور جس پر سخت بیماری کا بھی حملہ ہو چکا ہے اور جس کے متعلق ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ پھر یورپ جاؤ اور علاج کرواؤ مگر وہ یورپ میں بھی نہیں جاتا اُسے انڈونیشیا آنے کی دعوت دیتے ہیں جہاں علاج کی کوئی سہولتیں میسر نہیں بلکہ یورپ جیسی سہولتیں تو الگ رہیں وہاں پاکستان جیسی ڈاکٹری سہولتیں بھی میسر نہیں ہیں۔ جب میں علاج کے لیے یورپ گیا تھا تو اُس سفر نے میری صحت پر بہت ہی اچھا اثر ڈالا تھا۔ چنانچہ جب میں واپس آیا تو میری صحت بہت اچھی تھی۔ اس کے بعد 1955ء بڑا اچھا گزرا، 1956ء بڑا اچھا گزرا اور مری میں مَیں قرآن کریم کے ترجمہ کا کام کرتا رہا لیکن 1957 میں پھر کچھ تکلیف شروع ہوئی جو اَب تک جاری ہے۔ گو پچھلے دنوں ہومیوپیتھی علاج سے کچھ افاقہ ہوا ہے مگر 1955ء اور 1956ء والی حالت ابھی تک پیدا نہیں ہوئی۔

بہرحال قرآن کریم نے تبلیغ کرنا ہر شخص کا فرض قرار دیا ہے اور قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ دو طرح ہوتی ہے۔ ایک تو اِس طرح کہ بعض خاص خاص لوگ اپنے آپ کو تبلیغ کے لیے وقف کر دیتے ہیں جن کے لیے قرآن کریم میں عاکفین اور مہاجرین کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور ایک تبلیغ اِس رنگ میں ہوتی ہے کہ ساری جماعت جب بھی اسے موقع ملے تبلیغ میں حصہ لینے کے لیے تیار رہتی ہے۔ گویا ایک خاص لوگوں کی جماعت ہوتی ہے اور ایک عام لوگوں کی جماعت ہوتی ہے۔ گو عام جماعت کے افراد کو بھی قرآن کریم کہتا ہے کہ تم صرف واقفین پر انحصار نہ رکھو بلکہ ساری

جماعت کا یہ فرض ہے کہ وہ تبلیغِ اسلام کرے اور بغیر استثناء کے ان کا ہر فرد اس میں حصہ لے۔ اگر ہماری جماعت کے افراد صرف اپنے رشتہ داروں کو ہی تبلیغ کریں اور ایک ایک شخص کے بیس بیس رشتہ دار بھی سمجھے جائیں تب بھی تھوڑے عرصہ میں ہی ہماری جماعت کی تعداد دو کروڑ تک پہنچ سکتی ہے۔ بیشک لوگ تمہیں غیروں کو تبلیغ کرنے سے روک سکتے ہیں لیکن کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اپنی بیوی کو یا اپنے خسر کو یا اپنے سالے کو تبلیغ نہ کرو۔ اگر تم کسی غیر کو تبلیغ کرو تو ممکن ہے وہ تمہیں مارنے پیٹنے لگ جائے لیکن تمہارا اپنا باپ تمہیں نہیں مارے گا، تمہارا بیٹا تمہیں نہیں مارے گا، تمہارا خسر تمہیں نہیں مارے گا۔ اور اگر تم میں سے ایک ایک شخص کے پچاس پچاس رشتہ دار ہوں اور ہماری جماعت دس لاکھ ہو تو پھر تو تھوڑے عرصہ کی جدوجہد کے نتیجہ میں ہی ہماری جماعت کی تعداد خدا تعالیٰ کے فضل سے پانچ کروڑ تک پہنچ سکتی ہے۔ اور اگر ہم پانچ کروڑ ہو جائیں تو پھر مخالفت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ لوگ خود بخود ہماری طاقت کو تسلیم کرنے لگ جائیں گے اور پھر دوسرے ملکوں پر اثر ڈال کر پانچ کروڑ سے دس کروڑ تک تعداد پہنچ سکتی ہے اور ملایا اور انڈونیشیا وغیرہ پر اثر ڈال کر تو یہ تعداد اَور بھی بڑھ سکتی ہے۔ اب بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہماری جماعت کی ترقی کے سامان پیدا کر رہا ہے۔ چنانچہ فلپائن میں، ڈچ گی آنا میں، فرنچ گی آنا میں اور برٹش گی آنا میں ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے سرعت سے پھیل رہی ہے اور وہاں ہماری تبلیغ پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا۔ یہ مخالفت کا جوش صرف پاکستان میں پایا جاتا ہے ورنہ امریکہ میں یا انگلینڈ میں یا جرمنی میں یا سوئٹزرلینڈ میں یا فرانس میں یا سپین میں یا ٹرینیڈاڈ میں یا ڈچ گی آنا میں یا برٹش گی آنا میں یا فرنچ گی آنا میں جب ہم غیر مسلموں میں تبلیغ کرتے ہیں تو وہاں کے مسلمان اِس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ ہم اُن کے ملک میں اسلام پھیلا رہے ہیں۔ بلکہ انڈونیشیا کے لوگوں کی تو یہ حالت ہے کہ 1953ء میں جب ہماری جماعت کے خلاف یہاں فسادات ہوئے تو انڈونیشیا نے اس کے خلاف حکومتِ پاکستان کے پاس احتجاج کیا جس کے متعلق انکوائری کمیشن کے موقع پر مولویوں نے کہا کہ اصل میں وہ ایک احمدی ایمبیسیڈر تھا جس نے حکومتِ پاکستان کے پاس پروٹسٹ کیا تھا لیکن خواجہ ناظم الدین صاحب نے اپنی گواہی میں تسلیم کیا کہ وہاں کی ایک مشہور سیاسی پارٹی کے لیڈر نے اس بارہ میں ہمارے پاس احتجاج کیا تھا اور گو وہ متعصب آدمی ہے لیکن جب وہاں ان فسادات کی خبریں پہنچیں تو اُس نے

حکومتِ پاکستان کو لکھا کہ مذہب کے معاملہ میں لوگوں کو جبر سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اِسی طرح ہماری جماعت کے دوست اُس سے ملنے گئے تو وہ کہنے لگا کہ میرے پاس تو آپ کی جماعت کا سارا لٹریچر موجود ہے۔ ڈاکٹر سکارنو نے بھی احمدیوں کی تعریف کی اور جب مولویوں نے اس پر اعتراض کیا تو اُس نے کہا کہ میں تو سمجھتا ہوں کہ میں کسی اسلامی حکومت کا پریذیڈنٹ رہنے کے قابل ہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں جماعت احمدیہ کا لٹریچر نہ پڑھوں۔ کیونکہ اسلام کی خوبیاں مجھے صرف اِس جماعت کے لٹریچر سے معلوم ہوتی ہیں۔ اِسی طرح جب اُسے قرآن دیا گیا تو اس نے شکریہ کے ساتھ لیا اور کہا کہ اس کے ساتھ انڈیکس بھی ہونا چاہیے تاکہ اس کے مضامین کی تلاش میں آسانی ہو۔ غرض ہماری جماعت کے افراد کو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی تبلیغ پر زور دینا چاہیے۔ اِس وقت ہماری جماعت خداتعالیٰ کے فضل سے دس لاکھ سے بہت اوپر نکل چکی ہے لیکن اگر دس لاکھ بھی ہو تب بھی اپنے رشتہ داروں کو تبلیغ کرکے تھوڑے عرصہ میں ہی ہماری تعداد کہیں سے کہیں پہنچ سکتی ہے۔

پاکستان کی آبادی اِس وقت آٹھ کروڑ ہے اور دنیا میں عام اصول یہ ہے کہ اگر کسی منظّم جماعت کا تناسب کسی ملک کی آبادی میں ایک فیصدی تک پہنچ جائے تو وہ ملک پر غالب آجاتی ہے۔ جرمنی میں جب پروٹسٹنٹ فرقہ کا آغاز ہوا اور لوتھر نے کام شروع کیا تو شروع میں وہ بہت تھوڑے تھے لیکن جب وہ اپنے ملک کی آبادی کا ایک فیصدی حصہ بن گئے تو سارے ملک پر غالب آگئے۔ اِسی طرح اگر پاکستان میں ہماری تعداد بڑھ جائے اور ہماری منظّم جماعت آبادی کا ایک فیصدی ہوجائے تو ہماری جماعت کی طاقت غیروں کو بھی تسلیم کرنی پڑے گی۔

پس ہماری جماعت کو تبلیغ کی طرف خاص طور پر توجہ کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرنی چاہییں کہ وہ ان کی زبانوں میں اثر پیدا کرے۔ اِسی طرح مبلغوں کے لیے بھی دُعائیں کرو کیونکہ وہ ساری جماعت کا کام کررہے ہیں اور اُن کے کارناموں کو ہماری جماعت کا ہر فرد اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ وہ بسا اوقات غیروں کے سامنے بڑے فخر کے ساتھ کہتا ہے کہ ہم غیر ممالک میں اسلام کی تبلیغ کررہے ہیں، ہم غیر ممالک میں مساجد بنارہے ہیں لیکن اُس کی اپنی حالت یہ ہوتی ہے کہ بعض دفعہ وہ چندوں میں بھی پورا حصہ نہیں لے رہا ہوتا یا اگر چندہ دیتا ہے تو اپنے آپ کو اسلام کی تبلیغ کے لیے وقف نہیں کرتا حالانکہ ہمارے باہر کے مبلّغ اب شور مچارہے ہیں کہ اُن کی مدد کے لیے اَور آدمی

بھجوائے جائیں۔اِس وقت سب سے زیادہ ترقی کے آثار جرمنی میں نظر آ رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر پندرہ بیس اَور مبلغ یورپ میں چلے جائیں اور دس پندرہ مسجدیں بن جائیں تو بڑی تعداد میں وہاں کے لوگ احمدی ہوسکتے ہیں۔ انگلینڈ کے لوگ تو اب عیّاش ہوگئے ہیں لیکن جرمن سائنس کی تحقیقات پر جان دیتے ہیں اور بڑے دھڑلّے سے کہتے ہیں کہ احمدیت بڑا اچھا کام کر رہی ہے۔ جب ہیمبرگ میں ہماری مسجد بنی اور اخبارات میں اِس کی خبریں شائع ہوئیں تو عراق میں ایک جرمن انجنیئر تھا اُس نے ہمیں خط لکھا کہ ہیمبرگ میں مسجد کی تعمیر اور اس کے افتتاح کی خبریں تو ہم نے سن لی ہیں مگر آپ نے اپنے مبلغ کا پتا نہیں لکھا۔ آپ مجھے اُس کا پتا بھجوائیں کیونکہ میں اُسے چندہ بھجوانا چاہتا ہوں۔ اب یہاں تو یہ کیفیت ہے کہ بعض دفعہ پیچھے پڑ کر بھی لوگوں سے چندہ مانگا جائے تو وہ نہیں دیتے اور اُس کی یہ حالت ہے کہ وہ عراق سے خط لکھتا ہے کہ مجھے اپنے مبلغ کا پتا بھجوائیں میں اُسے چندہ بھجوانا چاہتا ہوں۔

تو ہماری جماعت کے دوستوں کو چاہیے کہ وہ اسلامی ترقی کے لیے اپنا پورا زور لگا دیں۔ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسا وقت آ گیا ہے جیسے ڈال پر آم پک جاتے ہیں اور ہر آم آپ ہی آپ ٹوٹ کر نیچے گرنے کے لیے تیار ہوتا ہے، اب عیسائی دنیا اسلام قبول کرنے کے لیے بالکل تیار ہے صرف درختوں کی ٹہنیاں ہلانے کی ضرورت ہے۔ جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے مریم سے کہا کہ کھجور کے تنا کو ہلا تجھ پر تازہ بتازہ کھجوریں گریں گی۔2 اِسی طرح ہمیں بھی اب صرف تنا ہلانے کی ضرورت ہے ورنہ پھل پک چکا ہے اور اب وہ گرنے ہی والا ہے۔

لطیفہ مشہور ہے کہ ایک دہریہ باغ میں گیا تو کہنے لگا لوگ تو خدا تعالیٰ کو بڑا عقلمند کہتے ہیں مگر یہ کیسی عقلمندی ہے کہ اُس نے ایک پتلی سی بیل کے ساتھ تو اتنا بڑا کدّو لگا دیا اور بڑے بڑے مضبوط درختوں پر چھوٹے چھوٹے آم لگا دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُسے نیند آئی اور وہ وہیں ایک آم کے درخت کے نیچے سو گیا۔ سویا ہوا تھا کہ اچانک اُس کے سر پر بڑے زور سے ایک آم آ گرا۔ وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا اللہ میاں! میری توبہ، میں اپنی گستاخی کی تجھ سے معافی طلب کرتا ہوں۔ میں سمجھ گیا کہ جو کچھ تُو نے کیا ہے بالکل درست ہے۔ اگر اتنی دور سے کدو مجھ پر گرتا تو میری تو جان نکل جاتی۔

اِسی طرح یورپ بھی اب ٹپکنے کو تیار بیٹھا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ جماعت قُربانی کرے۔ کچھ چندوں میں زیادتی کرے اور کچھ نوجوان اپنے آپ کو وقف کریں۔ بیشک

وقفِ جدید کے ماتحت بہت سے نوجوانوں نے اپنے آپ کو پیش کیا ہے مگر ابھی تک میں اُن کے کام سے پوری طرح خوش نہیں۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ابھی اُن کو کام شروع کیے بھی پانچ چھ مہینے ہی ہوئے ہیں جس کی وجہ سے ان کے کام میں ابھی تیزی پیدا نہیں ہوئی۔ اگر ایک دو سال گزر جائیں تو پھر ان کے کام کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ اِس وقت تک وقف جدید کے ذریعہ ایک سو چالیس بیعتیں ہو چکی ہیں لیکن میرے نزدیک فی مبلغ ایک ہزار سالانہ بیعت ہونی چاہیے۔ آجکل وقف جدید میں ستّر آدمی کام کر رہے ہیں۔ اگلے سال ممکن ہے یہ تعداد ایک سو پچاس تک پہنچ جائے اور پھر ڈیڑھ دو لاکھ سالانہ صرف وقف جدید کے معلمین کے ذریعہ ہی بیعت ہونے لگے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پانچ سال میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری تعداد کئی گنے بڑھ سکتی ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ ہی سب کام کرنے والا ہے۔ ہمارا کام تو صرف کوشش اور جدوجہد کرنا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً فرمایا تھا کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا"۔3 چنانچہ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ زمین کے کناروں تک پہنچ چکی ہے۔ مگر ہمیں صرف اِس بات پر خوش نہیں ہونا چاہیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ دنیا کے کناروں تک پہنچ چکی ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری جماعت کو اِس قدر ترقی عطا فرمائے گا کہ دوسرے مذاہب کے پیرو اس جماعت کے مقابلہ میں ایسے ہی بے حیثیت ہو کر رہ جائیں گے جیسے آجکل کی ادنیٰ اقوام بے حیثیت ہیں۔ پس ہماری خواہش یہ ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ زمانہ بھی دکھا دے جب ہماری جماعت ساری دنیا پر غالب آ جائے بلکہ اس سے بڑھ کر ہماری یہ دُعا ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو غلبہ بھی عطا فرمائے اور دوستوں کو اپنے ایمانوں پر بھی قائم رکھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کے زمانہ میں جب مسلمان ایمان پر قائم تھے روم اور ایران کے بادشاہ ان کے نام سے کانپتے تھے مگر جب اُن کے اندر ایمان نہ رہا تو ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا اور انہیں تباہ کر دیا۔ اب بھی مسلمان کروڑوں کی تعداد میں ہیں مگر اِدھر وہ امریکہ سے ڈر رہے ہیں اور اُدھر روس سے خوف کھا رہے ہیں۔ کبھی امریکہ سے کہتے ہیں کہ ہماری جھولی میں کچھ ڈالو اور کبھی روس کی طرف اِس اُمید سے دیکھتے ہیں کہ شاید وہ ان کی جھولی میں کچھ ڈال دے حالانکہ ایک

زمانہ میں مسلمان بڑی سے بڑی لالچ کو بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا۔ روم کی جنگ پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو تین صحابہ غلطی سے پیچھے رہ گئے۔ آپ نے واپس آنے پر اُن تینوں کو مقاطعہ کی سزا دے دی۔ ان میں سے ایک صحابی کہتے ہیں کہ جب مقاطعہ لمبا ہو گیا تو میں تنگ آ گیا۔ میرا ایک بڑا گہرا دوست تھا اور بھائیوں کی طرح مجھے پیارا تھا۔ وہ اپنے باغ میں کام کر رہا تھا کہ میں اس کے پاس پہنچا اور میں نے کہا بھائی! تم جانتے ہو کہ میں منافق نہیں، میں سچا اور مخلص مسلمان ہوں۔ صرف غلطی کی وجہ سے جنگ سے پیچھے رہ گیا تھا۔ مگر وہ بولا نہیں۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں مجھے اس سے شدید صدمہ پہنچا اور میں باغ سے نکل کر شہر کی طرف چل پڑا۔ میں گھر کی طرف جا ہی رہا تھا کہ مجھے پیچھے سے ایک شخص نے آواز دی۔ میں ٹھہرا تو اُس نے مجھے عرب کے ایک بادشاہ کا خط دیا۔ اُس میں لکھا تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ محمد (رسول اللہ) نے تم پر بڑا ظلم کیا ہے۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری بڑی عزّت کریں گے۔ وہ صحابی کہتے ہیں میں نے پیغامبر کو کہا کہ تم میرے ساتھ چلو۔ میں ابھی اس کا جواب دیتا ہوں۔ وہ میرے ساتھ ساتھ چلا۔ راستہ میں مَیں نے دیکھا کہ ایک جگہ تنور جل رہا ہے۔ میں اُس کے قریب پہنچا اور میں نے وہ خط اُس کے سامنے اُس تنور میں ڈال دیا اور پھر میں نے اسے کہا کہ جاؤ اور اپنے بادشاہ سے کہہ دو کہ یہ تمہارے خط کا جواب ہے۔4

تو دیکھو اسے کتنی بڑی لالچ دی گئی تھی مگر اس نے کچھ بھی پروانہ کی اور بادشاہ کے خط کو آگ میں جھونک دیا مگر آج مسلمان ہر جگہ بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ اگر اس کے اندر سچا ایمان ہوتا تو وہ نہ امریکہ کی طرف دیکھتا اور نہ روس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتا بلکہ خود پیسہ پیسہ جمع کر کے اپنی تمام ضروریات کو خود پورا کرنے کی کوشش کرتا مگر یہ جذبہ قوم میں اُسی وقت پیدا ہوتا ہے جب اُس کے افراد اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان رکھیں اور موت کا ڈر اپنے دل سے نکال دیں۔

احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ مدینہ کے قریب پہنچ کر آپ دوپہر کے وقت آرام فرمانے کے لیے ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے اور صحابہؓ بھی اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ کیونکہ انہوں نے سمجھا کہ اب تو مدینہ قریب ہی آ گیا ہے اب کسی دشمن کے حملہ کا کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اتفاقاً ایک شخص جس کا بھائی کسی جنگ میں مسلمانوں کے

ہاتھوں مارا گیا تھا اپنے بھائی کا انتقام لینے کے لیے اسلامی لشکر کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا اور حملہ کے لیے کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔ اُس نے جب دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے ہیں اور صحابہ بھی اِدھر اُدھر چلے گئے ہیں تو اُس نے آپ کے پاس پہنچ کر آپ کی ہی تلوار اُٹھا لی جو درخت کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی اور پھر اُس نے آپ کو جگایا اور کہا کہ بتائیں اب آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی طرح لیٹے لیٹے نہایت اطمینان اور سکوت کے ساتھ فرمایا کہ اللہ۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ اُس کا جسم کانپا اور تلوار اُس کے ہاتھ سے گر گئی۔ آپ نے فوراً وہی تلوار اُٹھالی اور پھر اُس سے پوچھا کہ اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ اُس نے کہا آپ ہی مہربانی کریں اور مجھے معاف فرما دیں، آپ بڑے رحیم و کریم ہیں۔ آپ نے فرمایا کمبخت! تجھے اب بھی عقل نہ آئی تُو نے کم از کم میری زبان سے ہی اللہ کا لفظ سن کر کہہ دینا تھا کہ اللہ مجھے بچا سکتا ہے مگر میری زبان سے بھی اللہ کا نام سن کر تجھے سمجھ نہ آئی اور تُو نے خدا کا نام نہ لیا۔5

میں سمجھتا ہوں کہ اِس زمانہ میں بھی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت قائم کی جائے اور ان کے دلوں میں اس پر سچا ایمان پیدا کیا جائے۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ مسلمان اب بھی اللہ اللہ کہتے پھرتے ہیں مگر حضرت خلیفہ اوّل ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ آجکل مسلمانوں کے نزدیک اللہ کے معنے صفر کے ہیں۔ چنانچہ جب کسی شخص کے گھر میں کچھ بھی نہیں رہتا تو وہ کہتا ہے کہ میرے گھر میں تو اللہ ہی اللہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میرے گھر میں کچھ نہیں۔ گویا اللہ کے معنے ان کے نزدیک ایک صفر کے ہیں حالانکہ پہلے زمانہ میں جب مسلمان کہتے تھے کہ ہمارے پاس اللہ ہی اللہ ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے تھے کہ آسمان بھی ہمارے ساتھ ہے اور زمین بھی ہمارے ساتھ ہے، پہاڑ بھی ہمارے ساتھ ہیں اور دریا بھی ہمارے ساتھ ہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ ہمارے مقابلہ میں ٹھہر سکے۔ مگر آجکل یہ کیفیت ہے کہ بھیک مانگنے والے فقیر ہر جگہ یہ کہتے سنائی دیں گے کہ اللہ ہی اللہ۔ اللہ ہی اللہ۔ اور ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔ خدا کے لیے ہمیں کچھ کھانے کے لیے دو۔ پس مسلمان اگر ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے اندر سچا ایمان پیدا کریں اور خدا تعالیٰ پر توکّل رکھیں۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ امریکہ اور روس نے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بنا لیے ہیں جن کی وجہ

سے دنیا ان سے مرعوب ہے لیکن اگر خدا تعالیٰ سے دُعائیں کی جائیں اور اپنے اندر سچا ایمان پیدا کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی کوئی نہ کوئی توڑ پیدا فرما دے گا۔ پہلے میرا خیال تھا کہ امریکہ یا روس ایٹم بم کا کوئی توڑ پیدا کر لیں گے مگر اب قرآن کریم پر غور کرنے سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ روس اور امریکہ اس کا توڑ پیدا نہیں کریں گے بلکہ آسمان سے ایسے شہابِ ثاقب گریں گے جن سے ان کے تمام بم بیکار ہو جائیں گے اور وہ دنیا کی تباہی کے ارادوں میں ناکام رہیں گے۔

پس مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کریں اور اُس سے سچا تعلق پیدا کریں اور اگر وہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کر لیں تو ان کی تلواریں توپوں سے بھی زیادہ کام کریں گی اور ان کے تھوڑے سے روپے کروڑوں ڈالروں اور پونڈوں سے بھی زیادہ نتیجہ خیز ہوں گے کیونکہ مومن کے روپیہ میں اللہ تعالیٰ بڑی برکت پیدا فرما دیتا ہے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک اشرفی دی اور فرمایا کہ میرے لیے قربانی کا ایک اچھا سا دُنبہ خرید لاؤ۔ جب وہ واپس آیا تو اُس نے آپ کی خدمت میں دُنبہ بھی پیش کر دیا اور اشرفی بھی واپس دے دی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اشرفی کیوں واپس کر رہے ہو؟ اُس نے کہا یا رسول اللہ! میں باہر دیہات میں نکل گیا تھا۔ یہاں تو ایک اشرفی کا ایک ہی دُنبہ آتا ہے مگر باہر گاؤں میں جا کر ایک اشرفی کے دو دُنبے مل گئے۔ جب میں واپس آیا تو میں نے شہر میں ایک دُنبہ ایک اشرفی میں فروخت کر دیا۔ اب دُنبہ بھی حاضر ہے اور اشرفی بھی آپ کی خدمت میں پیش ہے۔6 تو اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ کے روپیہ میں بڑی برکت پیدا فرما دیتا ہے اور اس کا تھوڑا سا روپیہ بھی اس کی ضروریات کو پورا کر دیتا ہے"۔

(الفضل 27 اگست 1958ء)

1: التوبة:36

2: وَهُزِّىٓ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا (مریم:26)

3: تذکرہ صفحہ 312 طبع چہارم

4: بخاری کتاب المغازی باب حدیث کعب بن مالک

5: السیرة النبویة فی فتح الباری جزء ثانی صفحہ 361 مطبوعہ کویت 2001ء

6: ابوداؤد کتاب البیوع باب فی المضارب